متقیوں کی ہدایت کرنیوالی کتاب

(مولوی عبد القادر صاحب صدیقی۔ نائب منتظم محکمۂ نظامت شعبۂ ترجمانات حیدرآباد)

علمی دنیا جو اللہ تعالیٰ کی صفت علیم کی مظہر ہے اپنے اندر لاتعداد و ان گنت علوم و فنون کے سرچشمے و خزانے رکھتی ہے۔ پھر ان علوم کے مختلف شعبے و شاخیں اسقدر کثیر ہیں کہ ان کو حد و حصر میں لانا ایک نہایت دشوار امر اور کارے دارد کا مضمون معلوم ہوتا ہے۔ منجملہ ان علوم کے ایک علم الٰہیات بھی ہے محض اس علم کے کتب حاضرہ پر ہی محققی ہونے کی اگر کوشش کیجائے تو یقیناً یقیناً عمر نوحؑ و صبر ایوبؑ درکار ہو۔

اس دنیا کی بڑھی ہوئی اور بڑھتی ترقی کو دیکھکر بے شک و شبہ انسان کا دل مارے حسرت کے خون ہوجاتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ عمر مختصر ہے حوائج کثیر ہیں بہت سا وقت ان کی نذر ہوجاتا ہے۔ اگر انسان کی عمر اوسطاً ساٹھ سال قرار دیجائے تو پہلے بیس سال رفع طفولیت کیلئے اور آخر کے دس سال اضمحلال قویٰ کی وجہ سے آرام و آسائش کی خاطر علحدہ ہوجاتے ہیں۔ باقی تیس سال میں سے نیند و علالت کا زمانہ قریباً نصف کے ہوتا ہے جسے وضع کرنے کے بعد پندرہ (۱۵) سال رہ جاتے ہیں۔ انہیں سے کسب معاش و دیگر احتیاجات کی تکمیل ہے جن میں کھانا پینا۔ بیوی بچوں دوستوں سے باتیں کرنا تربیت کرنا وغیرہ و شامل ہیں آدھے سے زیادہ زمانہ صرف ہوجاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ حقیقی طور پر (۷) یا (۸) سال ہی مشکل سے رہ جاتے ہیں جن میں اکتساب علم کرتا ہے خود فائدہ اٹھاتا ہے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اعلیٰ ترقیاں حاصل ہوں جو کچھ بھلائی خیر و برکت حاصل کرنا ممکن ہے لے لیا جائے معزز و مکرم ہوں۔ کام کا زمانہ اسقدر مختصر ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟ اور کیا نہ کیا جائے؟ گویا دنیا ایک عجائب خانہ ہے جس میں طرح طرح کے محیّر العقول سامان و اسباب ہیں جنہیں دیکھکر نگاہیں حیران ششدر رہ جاتی ہیں اور کسی ایک کی طرف بھی جی بھر کر نہ دیکھ سکیں اور بے تابانہ پکار اٹھیں۔

داماں نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار — گلچیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

ان مشکلات و مجبوریات کے مدنظر دانایانِ زمن و عقلائے فرنگ نے قرار دے لیا ہے کہ اگر کتاب علم کے پہلے شخص اپنا نصب العین آپ تجویز کر لے اور اس نصب العین کے متعلق متعلقہ علم کی کتب سے مستفید ہو مثلاً انجینئرنگ، طبابت، وکالت، انشا پردازی، شاعری، صنعت و حرفت وغیرہ وغیرہ۔ اس سے یہ ہوگا کہ ہر فن کا آدمی اپنے فن کی حد تک ماہر ہوگا اور اسی پر قناعت کریگا۔ انجینئر کو ضرورت نہ ہوگی کہ وہ طبابت کی کتب دیکھے نہ طبیب کو حاجت ہوگی کہ وہ انجینئرنگ سے سروکار رکھے اسطرح وکیل کو صنعت و حرفت کیجانب رجوع ہونیکی احتیاج نہوگی اور نہ کسی صناع کو وکالت کا شوق ہوگا وغیرہ علی ہذا

اقسام علوم کے متعلق ذرا غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے ایک علم دوسرے علم کی نسبت ضروری ہے یا ایک دوسرے کی نسبت زیادہ وسیع ہے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ العلم علمان علم الابدان و علم الادیان۔ علم دو ذکر دو ہیں ایک علم الابدان یعنی طبابت دوسرا علم الادیان یعنی دین کا علم۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ صحت جسمانی ایک بہت ہی مقدم شئے ہے یہ نہ ہو تو دولتِ ہفت اقلیم سارے علوم و فنون ہیچ ہیں۔ علم دین اس سے بھی اہم ہے یہ نہ ہو تو ہمارے امور معاد کو جو ابد الآباد تک ممتد ہونگے لامتناہی نقصان پہنچیگا۔ لہذا سرست علم دین کے متعلق قدرے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اس دفعہ پر یہ نکتہ نظروں سے اوجھل نہ ہونا چاہیے کہ جسمانیات کا عالم عارضی اور فانی ہوتا ہے اور روحانیات کا عالم مستقل اور دائمی ہوتا ہے۔ عالم عارضی اور فانی کے لئے یہ قانون قدرت ہے کہ رہبری کیلئے عقل اور مشاہدہ کو ساتھ لگا دیا گیا ہے جسکی وجہ سے جو اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں ان میں اکثر صحت اور درستی ہوتی ہے لیکن اتنا ہے کہ بعض دفعہ عقل بھی غلطی کرتی ہے اور مشاہدہ بھی ٹھوکر کھاتا ہے اور اس سے ہوتا یہ ہے کہ عارضی فوائد و لذات سے بے نصیبی ہوتی ہے۔ چنداں حرج نہیں ہے لیکن مستقل و دائمی عالم کیلئے اللہ تعالیٰ نے جہاں عقل کو انسان کے ساتھ بطور مشیر لگایا ہے وہاں غیر خطا پذیر الہام کا سلسلہ بھی اسے دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے مقصد کیلئے غلطاں و پیچاں حیران و سرگرداں ہو کر کالانعام بل ہم اضل کا مصداق نہ ہو جائے۔ یہ الہام

قرآن کریم ہی جو صد افتوں کی صحت و درستی کے لئے بطور معیار دنیا میں قائم کیا گیا ہی اور اس کی غرض یہ ہے کہ کم سی کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔

اب سوال یہ ہی کہ قرآن شریف نے اپنا مقصد کیا بیان فرمایا ہی؟ اس کے جواب کیلئے کہیں دور جانیکی ضرورت نہیں۔ کتاب پاک کے کھولتے ہی ابتدائی آیات یہ نظر آتی ہیں الٓمٓ ذٰلک الکتٰب لا ریب فیه هدی للمتقین یعنی میں اللہ ہوں بڑا جاننے والا۔ یہ ایک کتاب ہے جس میں کوئی شک و شبہ و تردد یا ہلاکت نہیں متقیوں کو ہدایت کرنے والی ہی۔

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:۔

الٓمٓ۔ یہ مخفف ہی انا اللہ اعلم کا جسکے معنی ہیں میں اللہ ہوں بڑا جاننے والا۔ انا میں سی ابتدائی ا۔ اللہ میں سی درمیانی ل اور علم میں سی آخری م لیا گیا ہی۔ یہ معنی حضرت علیؓ حضرت ابن عباس حضرت ابی ابن کعب و حضرت ابن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیے ہیں۔

الٓمٓ کے الفاظ کی تہ میں یوں تو حقائق و معارف کی کثرت ہی لیکن اس جگہ اتنا اظہار ضروری ہی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اپنے بہت بڑے علم کا واسطہ دیکر شروع فرمایا ہی جس سی پڑھنے والے کے دل میں شوق و کشش پیدا ہوتی ہی اور جان و دل سی اُسے مطالعہ کرکے سوچنے و سمجھنے و عمل کرنیکی جانب توجہ ہوتی ہی۔ اگر کسی کو واقف کرایا جائے کہ فلاں مقام پر خزانہ ہے تو بجرد اس بیان سی ہی سامع ہمہ تن منہمک و متوجہ ہوکر مزید تفصیلات کیجانب کان دہرتا ہی کہ اُسے فایدے کی باتیں حاصل ہوں پھر فرمایا ذٰلک الکتٰب لا ریب فیه۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی شک و شبہ و تردد ہلاکت رنج قلق تہمت کا گذر نہیں یقینیات پختہ و سنجیدہ باتوں سی لبریز ہے۔ یہ بھی بہت اُمید افزا جملہ ہے جو ناظر کے دل پر اثر کرنے والا اور اُس کی توجہ کو جذب کرنیوالا اور خفتہ و پژمردہ جذبات کو اُبھارنے اور شگفتہ کرنیوالا ہے

پھر ارشاد ہوا هدی للمتقین۔ یہ کتاب متقیوں کے لئے رہنما ہے متقی خدا سے ڈرنیوالا

حق اللہ و حق العباد بجا لانیوالا۔ اگرچہ اس کی تعریف تفصیلاً قرآن کریم نے پارہ ۲ رکوع ۵ میں بیان فرمائی ہے لیکن خلاصہ وہی ہے جو عرض ہوا۔

بعض لوگ نا سمجھی کی راہ سے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ سدھار وہاں ہوا کرتی ہے جہاں بگاڑ ہو۔ اصلاح کی ضرورت وہاں ہے جہاں فساد ہو۔ اس لئے خدا کا یہ فرمانا کہ یہ کتاب متقیوں کی رہبری کرتی ہے تحصیل حاصل ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی اصلاح یافتہ ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں۔ چاہیے یہ تھا کہ یہ کتاب بدمعاشوں، اٹھائی گیروں، چوروں، ڈاکوؤں، بدکرداروں کی اصلاح کرتی اور کہتی کہ میں ان کے لئے ہوں۔ جواب یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ معترض صاحب اس فضیلت کا انکاری ہیں کہ گناہوں سے بچ جانا بہت بڑا کمال ہے۔ حالانکہ گناہوں سے بچنا بالذات کوئی مستقل کمال نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ ترک شر سے انسان ایصال خیر پر قابو نہیں پا سکتا۔ گناہوں سے بچنے کے بعد اسے نیکیوں کی دولت کا جمع کرنا ضروری ہے جیسے بیمار کو ازالہ مرض کے بعد طاقت و قوت حاصل کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اپنا مقصد بہت بلند رکھا ہے وہ فرماتا ہے کہ میں اپنے علم و حکمت میں اتنا بڑھا ہوا ہوں کہ متقی بھی جو گناہوں سے نجات حاصل کئے ہوئے ہوں اپنی ترقی کے لئے مجھ سے رہبری پا سکتے ہیں۔ اس انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اعلیٰ قسم کے لوگ اس کتاب سے فیض پا سکتے ہیں تو ادنیٰ قسم کے لوگ بدرجہ اولیٰ اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ جیسے کسی قابل شخص کو جو ایم۔ اے کامیاب ہو اسکے نام کے ساتھ ایم۔ اے لکھیں گے یہ نہیں کہیں گے کہ وہ انٹرنس کا کامیاب ہے حالانکہ قول غلط نہیں ہے۔ گاماں پہلوان کی نسبت جب کہا جائے کہ وہ زبسکو پہلوان کو پچھاڑ سکتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بچوں کو زیر نہیں کر سکتا یہ بات خود بخود ذہن میں آتی ہے کہ جو شخص پہلوان کو زیر کرتا ہے ضرور ہے کہ بچوں پر نہایت آسانی کے ساتھ غالب آ سکے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم نے دیگر آیات میں بارہا یا بنی آدم سے لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ آیہ ھدی للمتقین سے یہ کہنا کہ عام لوگ مراد

نہیں ہیں غلط ہے۔ اس کا مقصد اپنے بلند آدرش کا بیان کرنا ہے۔

آیات مذکورہ بالا پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو ان کا ایک اور حسنِ لطیف ظاہر ہوتا ہے۔ عام قاعدہ ہے کہ ہر شئے کے لیے علل اربعہ ہوتے ہیں یعنی علت فاعلی، علت صوری، علت مادی، علتِ غائی۔ کوئی شئے بھی پیش نظر ہو جائے تو ہمارا ذہن اس جانب کام کرتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی ہے اس کی کوئی نہ کوئی صورت و شکل ہے۔ اسے بنانے کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ہے مثلاً کرسی سامنے ہو تو سمجھا جائے گا کہ نجار نے اسے بنایا ہوگا۔ لکڑی یا لوہے کو استعمال کیا ہوگا ایک خاص صورت پر جسے کرسی کہتے ہیں ڈھالا ہوگا۔ ان تمام عمل سے اس کی غرض و غایت یہ ہوگی کہ لوگ اس پر بیٹھیں
اسی طرح کلام مجید کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ اس کی علت فاعلی اللہ تعالیٰ ہے۔ ذالک الکتب اس کی علت صوری ہے لاریب فیہ اس کی علت مادی ہے۔ ان تمام کی علت غائی یہ ہے کہ ھدی للمتقین یعنے متقیوں کو ہدایت ہو۔

قرآن کریم کے مذکورہ مختصر تعارف کیا بہ لحاظ معانی و مطالب و کیا بلحاظ ربط و ضبط و ترتیب اور کیا بہ لحاظ علل اربعہ مکمل صورت میں موجود ہے اس کا انداز کلام ہی ایسی عجیب غریب شان پر واقع ہے کہ دوسری کتابیں اس کی نظیر لانے سے عاجز ہیں۔ مثلاً تشریح بالا کو ہی بطور نمونہ سمجھ لیا جائے تو ایک بے تعصب آنکھ اس کی حد اعجاز کی قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کیوں نہ ہو وہ کتاب خود اس امر کی مدعی ہے کہ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ اسی کمال سے متاثر ہو کر ایک عارف باللہ فرماتے ہیں۔ ؎

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے